باب۔۱۷

ترجمہ

فص داؤدیہ

حکمت وجودیہ

واضح ہو کہ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کی ایک خاص عنایت ہے جس میں انسان کے کسب کو کچھ دخل نہیں۔ نبوت سے میری مراد عرفی شرعی نبوت ہے، جس میں شریعت و تبلیغ ہے نہ کہ نبوت بمعنیٰ لغوی، یعنی باخبر ہونا یا خبر دینا۔ انبیا و رسل پر اللہ تعالیٰ کے عطایا، اعمال کی جزا نہیں ہیں بلکہ ہبہ ہیں۔ نہ ابتداءً جزا ہیں نہ انتہاءً طالبِ جزا ہیں۔ انبیا کو جو کچھ دیا جاتا ہے انعام و افضال ہے، لطف و کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ، (یعنی) ہم نے {ابراہیمؑ کو} اسحاق و یعقوب بطور ہبہ و تفضّل دیا، (الانعام:۸۴ اور کئی آیات میں)۔ ایوب علیہ السلام کے حق میں فرماتا ہے، وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ، (یعنی) ہم نے {ایوبؑ کو} ان کی آل و اولاد دی اور اس اولاد کے برابر اور آل و اولاد دی، (ص:۴۳)۔ موسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرماتا ہے، وَوَهَبْنَا لَهُ مِن رَّحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا، (یعنی) اور ہم نے {موسیٰؑ کو} اپنی رحمت سے ان کے بھائی ھارون کو نبی بنا کر دیا، (مریم:۵۳)۔ پس وہ خدا جو ان کا ابتداءً والی و کارساز ہے، وہی ان کو ہر حال میں کارساز ہے۔ متولّی امور ہے۔ ان کا متولّی کون ہے۔۔؟ اسم، وھاب ہے۔ داؤد علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے، وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا، (یعنی) ہم نے داؤد کو اپنا فضل و کرم دیا، (سبا:۱۰)۔ اس کے ساتھ نہ طلبِ جزا کو لگایا (اور) نہ یہ فرمایا کہ ان کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ کسی عمل کی جزا ہے۔

عطا پر اللہ تعالیٰ سے عمل کے ذریعے سے شکر کرنے کا حکم دیا۔ مطالبہ کیا تو آلِ داؤدؑ سے، نہ کہ داؤدؑ سے۔ داؤدؑ پر جو انعام و افضال ہوا ہے ان کی امت سے عملی شکریے کا مطالبہ کیا گیا۔ کیوں کہ یہ عطا داؤدؑ کے حق میں تو فضل ہے اور امت کے حق میں طالبِ معاوضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ، (یعنی) اے آلِ داؤدؑ تم شکریے میں عمل کرو مگر میرے بندوں میں شکر گزار بہت کم ہیں، (سبا:۱۳)۔

اگرچہ انبیا نے اللہ کے انعامات و مواہب کا شکر ادا کیا مگر اس کا مطالبہ حق تعالیٰ کی طرف سے نہ تھا، بلکہ خوش دلی سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ما قبل و مابعد امکاناتِ گناہ کو باطل کر دیا تو آپؐ نے اتنی عبادت کی (کہ) قدم مبارک پر وَرم آگیا۔ لوگوں نے اِس کے متعلق عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا افلا اکون عبدًا شکورًا، (یعنی) کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں (صحیح البخاري، سنن ابن ماجہ، سنن الترمذي، سنن النسائي، صحیح مسلم، مسند احمد)۔ نوح علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا، إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا، (یعنی) وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا، (الاسراء:۳)۔ اللہ کے شکر گزار بندے بہت ہی کم ہیں۔

سب سے پہلی نعمت، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو دی وہ یہ کہ آپ کا نام ایسا رکھا جس میں ہر ایک حرف جدا ہے۔ یہ ان کے دنیا سے بے تعلق ہونے پر دال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان کا یہ نام رکھنے سے ہم کو مدد ملتی ہے۔ داؤد میں حروف ذیل ہیں۔ {د۔ا۔و۔د} دیکھو ہر ایک حرف دوسرے سے جدا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک محمد رکھا جس میں {م۔ح۔م۔م} تو ملنے والے حروف ہیں مگر آخر میں {د} ہے جو ما قبل سے تو ملتا ہے لیکن مابعد سے نہیں ملتا۔ پس حضورؐ کے اسم مبارک میں وصل بھی ہے اور فصل بھی۔ داؤدؑ کو نبی ہونے کی وجہ سے باطن میں وصل و فصل ہے مگر نام کی حالت ایسی نہیں ہے۔ یہ جامعیت، اختصاص اور فضیلت ہے محمدؐ کو داؤدؑ پر، یعنی نام کے لحاظ سے بھی جامعیت پر اشارہ ہے۔ پس حضورؐ کو جمیع جہات سے جامعیت ہے۔ اسی طرح احمد کے نام میں بھی جامعیت ہے۔ {الف} بالکل منفصل ہے۔ {ح۔م} متصل ہیں، اور {د} متصل (یا جڑا ہوا) اور منفصل (یعنی علاحدہ بھی)۔۔۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ پر جو انعامات فرمائے ہیں ان کو (وہ) اس طرح فرماتا ہے۔ إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ - وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ، (یعنی) ہم نے پہاڑوں کو {داؤد کے لیے} مسخر کر دیا کہ وہ ان کی تسبیح کرتے ہیں، سہ پہر کو اور دن چڑھے۔ (اور) پرندے بھی جمع کر دیے گئے ہیں، سب ان کی طرف رجوع کرنے والے ہیں، (ص:۱۸ اور ۱۹)۔ داؤدؑ کے ساتھ پہاڑ اور پرندے تسبیح کرتے ہیں کہ داؤدؑ کے عمل میں ان کے اعمال داخل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ،وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ، (یعنی) ہمارے پُر قوت بندے داؤد کو یاد کرو، وہ ہماری طرف بڑا رجوع کرنے والا تھا، (ص:۱۷)۔ اور (وہ) فرماتا ہے ،وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ، (یعنی) ہم نے ان کی حکمت کو قوت دی اور ان کو حکمت و معرفت عطا کی، اور حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا بیان بھی دیا، (ص:۲۰)۔۔۔ پھر داؤدؑ پر احسانِ عظیم اور مرتبۂ قربِ حق جو ان سے خاص ہے، یہ ہے کہ ان کی خلافت منصوص ہے، صریحاً ہے۔ ان کے دوسرے ہم جنسوں (اور ہم مرتبہ حضرات) کی خلافت ایسی صریح نہیں ہے، گو کہ ان میں خلفا، حق ہیں۔

(اللہ تعالیٰ سورۃ ص کی آیت ۲۶ میں) فرماتا ہے، يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ، (یعنی) اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا کہ لوگوں میں حق کا حکم کرو، اور اپنی خواہش کی اتّباع نہ کرو۔ ہوا سے مراد وہ احکام ہیں جو غیر وحیِ الٰہی ہیں، اور وہ خطرات (ہیں) جو دل میں گذریں۔ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّـهِ، (یعنی) کہ وہ خطرے تم کو راہِ خدا سے گمراہ کر دیں۔ سبیلِ اللہ سے مراد وہ طریقہ وحی ہے جو انبیا کو بتایا جاتا ہے۔ پھر ان کا لحاظ رکھ کر فرماتا ہے، إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّـهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ، (یعنی) جو لوگ راہِ حق گم کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ، (یعنی) اس وجہ سے کہ وہ روزِ حساب و قیامت کو بھول گئے ہیں۔ یہ نہ فرمایا کہ اگر تم میری راہ سے گمراہ ہو جاؤ تو تمھارے لیے عذاب شدید ہے۔

اگر تم کہو کہ آدمؑ کی خلافت بھی منصوص (یعنی بالکل واضح) ہے تو میں کہتا ہوں کہ داؤدؑ کی خلافت جیسی منصوص ہے ویسی آدمؑ کی خلافت منصوص نہیں۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا، إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً، (یعنی) میں زمین میں ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں، (البقرۃ:۳۰)۔ اور (یہ) نہیں فرمایا کہ میں آدمؑ کو زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اگر ایسا فرماتا بھی تو داؤدؑ کے متعلق اس قول کے برابر نہ ہوتا (کہ) "اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا"۔ یہ صراحتاً ہے۔ محقق و ثابت ہے۔ آدمؑ کے لیے ایسا محقق و مصرّح نہیں۔ نیز آدمؑ کے قصے سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خلیفۂ موعود (یعنی کہے ہوئے خلیفہ) آدمؑ ہی تھے۔ دیکھو! تم کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کے متعلق خبر دے تو تم اس میں دل لگا کر غور و فکر کرو۔ حکمت و معرفت کی موجیں اس میں سے نکلتی معلوم ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ابراہیمؑ خلیل اللہ کے متعلق فرماتا ہے، إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا، (یعنی) میں تم کو لوگوں کا امام بناتا ہوں، (البقرۃ:۱۲۴)۔ مگر خلیفہ تو نہ فرمایا۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ یہاں امام سے مراد خلیفہ ہی ہے۔ مگر خاص طور سے لفظ خلیفہ مصرّحاً فرمانے کے برابر نہیں۔

پھر داؤد علیہ السلام کی خلافتِ مخصوصہ میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ کو خلیفۂ حکم بنایا۔ اور حکم دینا تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّـهِ، (یعنی) حکم دینا تو اللہ ہی کا کام ہے، (الانعام:۵۷ اور یوسف:۴۰ اور ۶۷)۔ داؤدؑ کو (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے، فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ، (یعنی) حق سے وابستہ رہ کر لوگوں میں حکم کرو، (ص:۲۶)۔

ممکن ہے کہ خلافتِ آدمؑ، داؤدؑ کے مرتبے کے برابر نہ ہو بلکہ ممکن ہے کہ آدمؑ ان لوگوں کے خلیفہ ہوں جو ان سے پہلے زمین میں بستے تھے اور خلق میں حکم الٰہی چلانے کے نائبِ حق نہ ہوں۔ اگر آدمؑ نائب و خلیفۃ اللہ واقع میں بھی ہوں تو ایسی تنصیص و تصریح تو نہیں ہے جیسی داؤدؑ کے لیے ہے۔ بے شک زمین پر جو خلیفۃ اللہ ہوئے ہیں وہ انبیا و رسل ہی ہیں۔

آج کے دن خلافت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خلافت باقی نہیں ہے۔ کیوں کہ اِس وقت کے خلفا بجز شرع خاتم النبیین کے کوئی حکم نہیں دے سکتے، اور دائرۂ شرع سے باہر نہیں نکل سکتے۔ مگر یہاں ایک دقیقہ ہے، نازک بات ہے۔ اس کو ہمارے ہی جیسے شخص جان سکتے ہیں۔ وہ دقیقہ یہ ہے (کہ) شرعِ رسولؐ پر حکم کرتے ہیں تو ان کا ماخذ کیا ہے۔۔؟ یہ کہاں سے حکم لیتے ہیں۔۔؟ خلیفۂ رسولؐ تو وہ ہیں جو قرآن وحدیث سے حکم لیتے ہیں، جو عن فلاں عن منقول ہیں۔ قرآن وحدیث میں مصرّح حکم نہیں ملتا تو قیاس کرتے ہیں، اجتہاد کرتے ہیں۔ مگر اس اجتہاد کی اصل وہی منقول قرآن وحدیث ہیں۔

ہم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کشف والہام سے، جو ظنّی ہیں، اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں۔ لہٰذا خود اس حکم شرعی میں خلیفۃ اللہ ہیں۔ بس ایک طور پر مادّۂ کشف والہام اور اور مادّۂ وحیِ رسول ایک ہیں۔ لیکن الہام ظنّی (یا خیالی ہے) اور وحی قطعی ہے۔ پس خلیفہ جو ولی ہوتا ہے، ظاہر میں متبعِ نبی ہوتا ہے اور بباطن موافقِ نبی۔ جیسے عیسیٰؑ نزول فرمائیں گے تو متبع خاتم النبیین ہوں گے۔ جیسے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، توحید میں موافق ومتبع انبیاے سابق کے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّـهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ، (یعنی) ان {انبیاے سابقین} کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تھی، تم بھی {اے محمدؐ} ان کی پیروی کرو، (الانعام:۹۰)۔ خلیفہ، ولی (اور) صاحبِ کشف، اللہ تعالیٰ سے لینے کے طریقے سے واقف ہونے کی وجہ سے خاتم النبیین کے موافق ہے۔ کیوں کہ مرضیِ الٰہی اور حق وہی ہے جو خاتم النبیین کی شرع شریف ہے۔ یہ موافقت ایسی ہی ہے جیسے خاتم النبیین، انبیاے سابقین کے احکام کو باقی رکھ کر ان کے موافق تھے۔ ہم بھی انبیاے سابقین کے احکام کی اتباع کرتے ہیں، مگر اس وجہ سے کہ ان احکام کو خاتم النبیین نے باقی رکھا۔ نہ (کہ) اس وجہ سے کہ وہ شرع انبیاے سابقین سے ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ وہ، خاتم النبیین کی جانب سے، تقریر وابقا (یعنی فرمایا گیا اور باقی رکھا گیا) ہے۔ لہٰذا خلیفہ کا اللہ تعالیٰ سے لینا عین رسول اللہ سے لینا ہے۔ ایسے صاحبِ کشف خلیفہ کے متعلق ہم زبانِ کشف سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ بباطن خلیفۃ اللہ ہے اور بظاہر خلیفۂ رسول اللہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور آپؐ نے منصوص ومعین طور پر کسی کو خلیفہ نہ بنایا۔ کیوں کہ آپؐ کو معلوم تھا کہ اپنی امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو خلافت کو اللہ تعالیٰ سے لیں گے اور خلیفۃ اللہ ہوں گے، مگر احکام شرع میں تابع نبیِ معصوم۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا تو (ہی) آپ نے خلافت میں کوئی تعیین وتنصیص (نامزدگی یا صراحت) نہیں کی۔ پس خلقِ خدا میں خلیفۃ اللہ ہیں۔ معدن خاتم النبیین ومادّۂ انبیاے سابقین سے وہ احکام لیتے ہیں جو خود انھوں نے لیے تھے۔ اور (وہ) خاتم الانبیا کے فضل واسالت کو (بھی) جانتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے (کہ) احکام رسول قابل زیادت ونقصان ہیں۔ کیوں کہ رسولِ سابق اِس وقت بھی ہوتے تو احکام کی زیادت ہو سکتی تھی۔

خدا ے تعالیٰ ایسے خلیفہ کو ان ہی احکام شرعیہ اور علوم کو دیتا ہے جو خاص کر کے انبیا کو دیے گئے تھے۔ پس خلیفۂ ولی، ظاہر میں متبعِ نبی، اس کا غیر مخالف رہتا ہے۔ بخلاف رسل کے کہ وہ انبیاے سابقین کے احکام کو منسوخ بھی کرتے ہیں۔

دیکھو! یہودیوں نے جب تک یہ خیال کیا کہ حضرت عیسیٰؑ، حضرت موسیٰؑ پر کسی حکم کو زیادہ نہ کریں گے، جیسے کہ ہم نے خلیفہ کے متعلق بہ نسبت رسول کے کہا، تو ان پر ایمان لائے، ان کا اقرار کیا۔ جب حضرت عیسیٰؑ نے بحیثیت رسول ہونے کہ بعض احکام موسویؑ پر زیادت کی (اور) بعض کو منسوخ کر دیا تو اس کو برداشت نہ کر سکے۔ اس لیے کہ یہ ان کے عقیدے کے خلاف تھا۔ یہودیوں نے امر رسالت کو جیسا سمجھنا چاہیے تھا نہ سمجھا اور ان کو قتل کرنا چاہا۔ ان کے پورے قصے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے۔ جب عیسیٰؑ رسول تھے تو انھوں نے زیادت کو قبول فرمایا، خواہ اس حکم کی کمی سے جس کو موسیٰؑ نے مقرر فرمایا تھا، خواہ زیادتِ حکم سے۔ سچ پوچھو تو کمی بھی شرع میں ایک قسم کی زیادت ہے۔

خلافت کو آج یہ منصبِ زیادت و نقصان نہیں۔ شرع پر کچھ زیادت و نقصان ہوتا بھی ہے تو اجتہادیات میں۔ اس شرع پر کمی زیادت نہیں ہو سکتی جو رسولؐ اللہ سے بالمشافہ راست حاصل کی گئی ہے۔ کبھی خلیفہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حکم حدیث کے خلاف ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ اس کا اجتہاد ہے۔ حالاں کہ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس امام کے پاس جہت کشف سے یہ حدیث ثابت نہیں۔ اگر یہ حدیث ثابت ہوتی ہے تو امام اسی حدیث کے موافق حکم دیتا۔ اگرچہ (کہ) وہ حدیث عن عدل عن عدل سے ثابت ہے، یعنی معتبر آدمی کی روایت معتبر آدمی سے ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، معتبر ہیں۔ راوی پھر بھی وہم سے معصوم نہیں ہیں، نہ روایت بالمعنیٰ سے۔ ایسے واقعات آج خلیفہ سے صادر ہوتے ہیں۔

جب عیسیٰؑ نازل ہوں گے تو بہت سے اجتہادی احکام جو ائمہ کے جاری کردہ تھے اُٹھا دیں گے۔ کیوں کہ عیسیٰؑ پر حقیقتِ محمدیؐ ظاہر ہو جائے گی۔ خصوصاً جب کہ ایک واقعے میں ائمہ سے باہم مختلف احکام دیے گئے ہوں۔ یہ ہم کو قطعی علم ہے کہ اگر وحی نازل ہوتی تو ان صورتوں میں سے کسی ایک کے مطابق نازل ہوتی۔ اور وہی حکم الٰہی متعین ہوتا۔ اس حکم خاص کے سوا جو احکام اجتہادی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے باقی رکھے ہیں کہ وہ شرع تقریری ہے۔ خدا کے رکھنے سے رہے ہیں۔ تاکہ امت کو حرج نہ ہو۔ اور دائرۂ احکام وسیع ہو۔

حضور رسول اعظمؐ کا فرمان ہے، اذا بویع بخلیفتین فاقتلوا الاٰخر منھما، (یعنی) اگر دو خلیفوں کے لیے بیعت لی جائے تو ان سے پچھلے کو مار ڈالو۔۔ یہ حکم خلافتِ ظاہری کے متعلق ہے جس کا کام ہے امن قائم رکھنا۔

شمشیر زنی کرنا۔ (کیوں کہ) اس میں تعددِ خلفا کی گنجائش نہیں۔ اگر دونوں متفق بھی ہو جائیں تو ایک کو ختم کرنا ضروری ہے۔ بخلاف خلافتِ باطنی کے کہ اس میں تعددِ خلفا ممکن ہے، (اور) نہ ان کا کام ہے قتل وکشت۔

خلافتِ ظاہری میں حقِ قتل ہے، اور خلافتِ باطنی میں حقِ قتل نہیں ہے۔ اگر خلافتِ باطنی والا خلیفۃ اللہ اور خلافتِ ظاہری والا عادل ہو تو خلیفۂ رسول اللہ ہوتا ہے۔ خلافتِ ظاہری میں ایک خلیفہ کا رہنا (ضروری) اور تعددِ خلفا ناجائز ہوتا ہے۔ (یہ) اس لیے ہے کہ رفع فتنہ وفساد، یا دفع مظنہ بدامنی ضروری ہے۔ یہ مشابہ ہے لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّـهُ لَفَسَدَتَا کے، [(یعنی) اگر ان میں اللہ کے سوا کئی معبود ہوتے تو وہ دونوں یعنی آسمان و زمین تباہ ہو جاتے (الانبیاء:۲۲)]۔ فرض کرو کہ وہ دونوں متفق بھی ہو جائیں تو ہم جانتے ہیں کہ بفرض و تقدیر اختلاف کے، ایک کا حکم چلے گا۔۔۔ جس کا حکم چلے وہ تو حقیقتًا آلِهَةٌ (معبود) ہے، یا خلیفہ کی صورت میں خلیفہ ہے۔ اور جس کی نہ چلے وہ نہ آلِهَةٌ ہے، نہ ہی خلیفہ ہو سکتا ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ تعددِ الٰہ محال ہے اور الٰہِ حق ایک ہی ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے سب اللہ کے ارادے اور مشیت سے ہو رہا ہے۔ گو بظاہر بعض کام خلافِ شرع بھی ہو رہے ہیں۔ گو کہ شرع کا مقرر کرنا بھی خدا کی مشیت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ شرع شریف سے خیر کثیر کا حکم دیتا ہے۔ اور عمل کے وقت وہی نمایاں کرتا اور پیدا فرماتا ہے جو بندے کی طبیعت اور فطرت کے مطابق ہو۔

وہی نمایاں ہوتا ہے جس کی جیسی فطرت ہے
دیتا ہے ہر ایک کو حکیم جس کی جیسی طبیعت ہے

مشیتِ شرع میں تقرر و تعیین خیر کثیر ہے، نہ کہ عمل بالمشیت۔ غرض یہ کہ مشیت کی حکومت بڑی زبردست ہے۔ اسی وجہ سے ابو طالب مکی، صاحبِ قوت القلوب، نے مشیت کو عرشِ ذات فرض کیا ہے۔ اس لیے کہ مشیت اپنی ذات سے احکام دیتی ہے۔ بہر حال دنیا میں کوئی شئے نہ موجود ہوتی ہے نہ معدوم ہوتی ہے مگر مشیت الٰہی سے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ گناہ کرتے ہیں، امر الٰہی کا خلاف کرتے ہیں، مگر حق یہ ہے کہ اُس امر الٰہی کا خلاف ہوتا ہے جو امر انبیا کے توسط سے دیا جاتا ہے۔ (مگر) امر تکوینی (یعنی) حکم کُن کا خلاف ہرگز نہیں ہوتا۔ غور کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ بندہ جو جو کام کرتا ہے، مشیت کے لحاظ سے دیکھو، تو کوئی اللہ تعالیٰ کی مخالفت نہیں کرتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مخالفت ہے تو امر تشریعی سے {جو بواسطہ انبیا کے ہوتا ہے} نہ کہ امر تکوینی سے، اور نہ کہ خود اللہ سے یا اس کی مشیت سے مخالفت ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے۔ زیادہ غائر نظر ڈال کر دیکھو تو معلوم ہو گا (کہ) امر مشیت، فعلِ عبد کو ہوتا ہے نہ کہ خود عبد کو (کہ)

جس سے فعل ظاہر ہوتا ہے۔ جب حق تعالیٰ فعل کو کُن کا حکم دیتا ہے تو مستحیل (یا ناممکن) ہے کہ وہ فعل نہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ شرعی حکم بتوسط انبیا، بندے کو پہنچایا جاتا ہے۔ بعض بندوں کی طبیعت کا اقتضا اطاعت و امتثالِ حکم ہوتا ہے۔ تو اس کے فعل کو امر کُن دیا جاتا ہے، اور وہ موجود ہو جاتا ہے۔ جس کی طبیعت امتثالِ امر سے اَبیٰ کرتی (یعنی) انکار کرتی ہے تو فعل کو کُن کا حکم نہیں دیا جاتا اور وہ فعل نہیں پیدا ہوتا ہے۔ ایسی بد طبیعت کو پھر امر تشریعی دیا ہی کیوں جاتا ہے جب کہ معلوم ہے کہ اطاعت اس کی طبیعت کے اقتضا کے موافق نہیں۔۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی بد فطرتی تمام اشخاص کو معلوم کرانے کے لیے امر تشریعی کیا جاتا ہے۔ ایجادِ فعل کا حکم اس صورتِ خاص اور محل مخصوص میں نہ ہوگا۔ لہٰذا بندۂ عاصی (یعنی گناہ گار شخص) کا فعل ایک لحاظ سے مخالف امر اللہ ہے۔ اور ایک لحاظ سے اس میں موافقت و طاعت امر اللہ ہے۔ اس کی اتباع و موافقت میں حسبِ حالت، مدح (یعنی تعریف) بھی ہوتی ہے اور مذمت بھی۔

جب واقعاتِ نفس الامری وہ ہیں جو ہم نے بیان کیے کہ اقتضاے فطرت و طبیعتِ شئے کے مطابق امر تکوینی آتا (ہے) اور تخلیقِ صورت و حالت ہوتی ہے، لہٰذا مآل (یعنی بالآخر انجام) خلق کا اس کی سعادت پر اور اس کے کمالات کے ظاہر ہونے پر ہے۔ باوجود یہ کہ انواعِ سعادات (یا فرماں برداری کی اقسام) مختلف اور ان کے کمالات کا ظہور جدا ہے۔ ہر شئے کے اظہارِ کمال کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا، رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ، (یعنی) میری رحمت میں ہر ایک کی سمائی ہے، (الاعراف:۱۵۶)۔ {رحمتی سبقت غضبی} (یعنی) میری رحمت میرے غضب سے سابق ہے۔ اور سابق تو پہلے ہوتا ہے۔۔۔ اس لحاظ سے دیکھو تو پہلے رحمت کا اثر ہوا تھا جس سے وہ عاصی مخلوق ہوا۔ پھر بوجہ عصیاں (یعنی اس کے گناہوں کے سبب) غضبِ الٰہی ہوا تو سابق نے پھر اپنا عمل کیا یعنی اس عاصی کو رحمت نے گھیر لیا۔ کیوں کہ غضب سے پہلے رحمت ہی متقدم و سابق تھی۔ یہ معنٰی ہیں رحمتی سبقت غضبی کے۔۔۔ تا کہ رحمت اپنا کام کرے اس پر جو اس تک پہنچتا ہے۔ رحمت سب کے آخر میں، غایت و انجام میں قدم جمائے کھڑی ہے۔ ہر ایک اپنی غایت (یا انجام) کی طرف سالک اور رواں ہے۔ لہٰذا وہاں تک پہنچنا اور غضب کا ختم ہونا بھی ہے۔ لہٰذا ہر رحمت تک پہنچنے والے کو حسبِ استعداد، حسبِ حیثیت رحمت کا پہنچنا بھی ہے۔

فمن کان ذا فہم یشاھد ما قلنا وان لم یکن فہم فیاخذہ عنّا

جس کو اللہ نے فہم عطا کیا ہے ہم نے جو کچھ کہا اس کو دیکھتا ہے، جس کو سمجھ نہیں وہ ہم سے لیتا ہے

فما ثمّ الّا ما ذکرناہ فاعتمد علیہ وکن بالحال فیہ کما کنّا

وہاں اس کے سوا کچھ نہیں جو ہم نے بیان کیا، اس پر اعتماد رکھو

اور اس میں صاحبِ حال بنو جیسے کہ ہم تھے

فمنہ الینا ما تلونا علیکم ومنّا الیکم ما وھبناکم منّا

اللہ کے پاس سے ہم کو جو کچھ پہنچا، وہی ہے جس کو ہم نے تمھیں سنایا

ہماری طرف سے جو کچھ پہنچ رہا ہے وہ ہے جو ہم نے تم کو دیا

داؤد علیہ السلام کے لیے اللہ کا لوہے کو نرم کر دینا اور ان کا لوہے سے زِرہیں (یعنی ہتھیار) بنانا اس سے یہ اعتبار لے سکتے ہیں کہ سخت دلوں کو زجر و توبیخ (یعنی آڑے ہاتھوں لینا) اور سرزنش بھی نرم کرتی ہے۔ جیسے آگ لوہے کو نرم کرتی ہے مگر بعض سخت دل ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان پر آگ تک اثر نہیں کرتی۔ آگ تو پتھر کو توڑ دیتی ہے۔ اس کا چونا بنا دیتی ہے۔ یہ بھی ایک اعتبار ہے۔ اس میں ایک تنبیہ ہے کہ لوہا کیوں گلایا جاتا تھا۔ اس لیے کہ اس سے زِرہ بنائیں۔ زِرہ (یا اسلحہ سازی) میں کیا بات ہے۔۔؟ لوہے کے ذریعے سے، لوہے سے حفاظت کی جاتی ہے۔۔۔ زِرہ سے سِنان (تیر)، سَیف (تلوار)، سکین {چھری} (اور) بھالے سے بچاؤ کیا جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو کیا دعا سکھائی، اللّٰھم انّی اعوذ بک منک، (یعنی) خدایا میں تجھ سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ تیرے غضب سے بھاگ کر تیرے دامنِ رحمت میں چھپتا ہوں۔ سمجھو یہ اعتبار ہے لوہے کے نرم کرنے اور پگھلانے کی۔ اللہ منتقم بھی ہے، رحیم بھی ہے، وہی موفق ہے وہی معین ہے۔